صائمہ اکبر احمد

اسلامی اقتصادی نظام کیوں ضروری ہے؟

سود کے بارے میں حالیہ بحث نے شریعت، اقتصادیات اور مالیاتی امور کے ماہرین کو مسلمانوں کے اس اہم ترین مسئلہ پر غور و فکر کے لیے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ سود کی تعریف کے مسئلہ نے ہمیں (ہماری اہلیت بلکہ نا اہلی کی وجہ سے) سود سے پاک نظام کے قیام میں انتشار فکر کا شکار کر دیا ہے۔

یہ دلیل دی جاتی ہے کہ موجودہ زمانے کے منافع (interest) کو سود قرار دے کر اس کو موجودہ اقتصادی نظام سے ختم کرنے کی صورت میں پورا نظام دھڑام سے زمیں بوس ہو جائے گا۔ اس میں تعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ربوا (سود) مغرب کے وضع کردہ موجودہ اقتصادی نظام کے بنیادی عوامل میں سے ایک اہم عنصر ہے۔ ظاہر ہے مغربی ماہرین نے یہ نظام وضع کرتے وقت ربوا (سود) کے خاتمے کے بارے میں سوچا ہی نہیں اس لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ مسلمان اپنا اقتصادی اور مالیاتی نظام خود وضع کریں۔

ایک اسلامی اقتصادی نظام کو نہ صرف قرآن وحدیث کی واضح ہدایات پر مشتمل ہونا چاہیے بلکہ اس میں ان لازمی تعلیمات کے ان دو اہم ترین سرچشموں کے بستا نرم گوشوں (Grey areas) میں دین کی روح کے مطابق تشریح کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔ مسلمان ماہرین کو اپنے لیے نیا اقتصادی نظام تشکیل کرتے وقت موجودہ اقتصادی اور مالیاتی نظام کے بعض عوامل (Norms) کا تنقیدی جائزہ بھی لینا چاہیے جو نہ صرف سود سے پاک اقتصادی نظام کو چلانے اور اس پر عمل در آمد کی راہ کی رکاوٹ ہیں بلکہ جو انسانی منطق کے بھی خلاف ہیں۔

اگر مسلمان ماہرین کی مساعی موجودہ اقتصادی نظام سے اس کی دوسری خامیوں کا خاتمہ کیے بغیر صرف سود ہی کے خاتمہ پر مرکوز کر دی جائیں تو اس بات کا خدشہ ہے کہ موجودہ نظام سے سود سے پاک اقتصادی نظام کی طرف ہمارا سفر مصنوعی ہوگا اور یہ نیا نظام زیادہ دیر تک چل نہیں سکے گا۔

تمام نظام انسان کے فائدے کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں انسان نظام کے لیے پیدا نہیں کیا جاتا۔ موجودہ اقتصادی اور مالیاتی نظام نے عوام کے اقتصادی اور سماجی مسائل کو حل کرنے کی بجائے ان کو مزید سنگین اور گمبھیر بنا دیا ہے۔ اقتصادی نظام کی یہ کون سی خوبی ہے کہ وہ وسائل (Resources) کی غلط تقسیم کی نہ صرف حمایت کرے اور اس حد تک اس تقسیم کو فروغ دے کہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی امراء کے طبقے کے درمیان بڑی تعداد میں غریب بھی پائے جاتے ہیں۔ دنیا بھر میں غریب لوگ با اثر اور امیر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ سخت محنت سے کام کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ دو وقت کی روٹی بھی بڑی مشکل سے حاصل کر پاتے ہیں۔ مغربی اقتصادی ماہرین کی the effciency - equity trade off کی بات نہ صرف غیر انسانی ہے بلکہ ایک ناقص اقتصادی تصور بھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ پیداواری وسائل اور آمدنی کی غیر منصفانہ تقسیم اور دولت کا چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجانا (ارتکاز) ہی ہے جو اسراف بے جا اور پر تعیش اشیاء کی تیار کے ذریعہ نا اہلیت پیدا کرتی ہے۔

موجودہ اقتصادی نظام غریبوں کو اپنی حالت بہتر بنانے کا بہت ہی کم موقع فراہم کرتا ہے حالانکہ غریب کارکن لگن اور محنت کے ساتھ کام کرنے والے ہوتے ہیں۔

تاریخی طور پر عالمی منظر کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک ایسے نظام کو جاری رکھنے میں کون سی اچھی بات ہے جو یا تو خود اپنے اندر موجودہ خامیوں کی وجہ سے بحران پیدا کر رہا ہے یا کچھ اور اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کو یہ نظام مزید فروغ دینے کی وجہ بن رہا ہے۔ جو کبھی 1930ء کی عظیم کساد بازاری کی شکل میں سامنے آتا ہے یا بعض اوقات جنوبی مشرقی ایشیا یا لاطینی امریکہ کے بحرانوں کی صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے یا وہ موجودہ عالمی بحران کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ یہ بہترین وقت ہے کہ مسلمان ایک ایسے شعبے Discipline پر توجہ دیں جس پر ان کا اثر عرصہ دراز سے بڑی حد تک جمود کا شکار ہے۔ ماضی میں مسلمان فطری علوم (Natural science) کی ترقی میں بڑے سرگرم رہے ہیں اور انہوں نے اس شعبے میں ایسی مضبوط بنیادیں رکھی ہیں جس پر آج کی موجودہ جدید سائنس فخر کرتی ہے۔ اب مسلمانوں کو لازمی طور پر اپنی توجہ اقتصادیات پر مرکوز کرنی چاہئیں اور اقتصادی نظام کو اپنے فائدے کو سامنے رکھ کر قرآنی تعلیمات کی روح کے مطابق وضع کرنا چاہیے۔

موجودہ اقتصادی نظام کی خامیوں میں سے چند ایک یہ ہیں۔ سٹے بازی (Speculation) دنیا بھر کے اسٹاک ایکس چینج میں ثانوی یا دوسرے درجے کی تجارت میں ایک عنصر کی حیثیت سے موجود ہے اس لیے سٹے بازی کے ذریعہ جو اندازے یا تخمینے لگائے جاتے ہیں اور جو غلط بھی ہو سکتے

ہیں اور درست بھی' ان کو اقوام اور ان کی قسمتوں پر اثر انداز ہونے کی اجازت دے دی جاتی ہے جس سے سب سے زیادہ غریب عوام بری طرح متاثر ہوتے ہیں جن کا جوئے جیسی (Casino like) سرگرمیوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جنوب مشرقی ایشیا کے بعض ممالک آج کل مغرب کی سٹے بازی کے ہاتھوں شدید اقتصادی بحران کا شکار ہیں حالانکہ ان کی اقتصادی بنیادیں بڑی مضبوط ہیں۔ وہاں کے عوام بڑے محنتی ہیں اور ان کی بچت اور سرمایہ کاری کی شرح کافی بلند ہے' اس طریقے سے چند لالچی لوگوں کے لالچ Greed کے نتیجے میں اسٹاک مارکیٹیں Crash ہو گئیں اور کسی معقول وجہ کے بغیر وہاں کی معیشت تباہ و برباد ہو گئی جس کے بعد مغربی ماہرین اقتصادیات بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان (جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک) کی مضبوط معیشت کا بلبلہ پھٹ گیا ہے۔

سٹے بازی کا عمل اپنی فطرت (Nature) کی وجہ سے ان ممالک کی حمایت کرتا ہے جو اقتصادی طور پر پہلے ہی بہت آگے ہوتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں اقتصادی سیڑھی پر بہت بلندی پر ہوتے ہیں اور جو مشکل ہی سے ترقی پذیر ممالک کو اس وقت تک اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع دیتے ہیں جب تک ترقی پذیر ممالک ان کے ساتھ کوئی مصالحانہ یا سمجھوتے والے اقدامات کا اعلان نہ کریں اور ایسا کرنے کی صورت میں ان (ترقی پذیر) ممالک کو ابتدائی طور پر جو فائدے ہوں گے' ان کا نتیجہ بعد میں ان کو درمیانی مدت سے طویل المیعاد تک نقصان کی صورت میں ملتا ہے۔ ربوا (سود) کے ساتھ ساتھ سٹے بازی کے خاتمے کے لیے خصوصی توجہ دی جائے جو اسلام میں سود ہی کی طرح حرام ہے۔

ملک کی کرنسی (Currency) کی قدر میں کمی (Devalue) موجودہ اقتصادی نظام کا ایک اور طریقہ (Norm) ہے جو منطق کے بالکل خلاف ہے۔ کرنسی کی قدر میں کمی اس مخصوص ملک (جس کی کرنسی کی قدر کم ہو گئی ہے) کی برآمدات (Exports) کو سستا کرتی ہے اگرچہ برآمد کی جانے والی اشیاء کی قیمت (Quality) اور ان کی تیاری کی کوششوں یا محنت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

اسی طرح اس مخصوص ملک (جس کی کرنسی کی قدر میں کمی کی گئی ہو) درآمدات (Imports) کی قدر (Value) میں کسی معقول وجہ کے بغیر اضافہ ہو جاتا ہے۔ کرنسی کی قیمت میں کمی افراط زر میں بھی آگ کی سی تیزی کے ساتھ اضافہ کرتی ہے' اس سب کے باوجود یہ (Devaluation) آئی ایم ایف (IMF) کی طرف سے ترقی پذیر ممالک کو جو پہلے ہی اقتصادی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں' ان کی مشکلات کے حل کے لیے عام طور پر تجویز کیے گئے حل (Solutions) میں سے ایک حل ہے۔

اسلامی اقتصادی نظام کو وضع کرتے وقت مسلمان ماہرین کو کرنسی کی قدر میں کمی (Devalution) کے حربے یا عمل اور اس کے ربوا (سود) سے پاک اقتصادی نظام کے آسانی کے ساتھ چلانے میں اثرات کا تنقیدی جائزہ ضرور لینا چاہیے۔

افراط زر (Inflation) کی لعنت کو ربوا (سود) سے پاک اقتصادی نظام پر عمل کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بیان کیا جاتا ہے لیکن افراط زر قانون فطرت (Law of nature) نہیں ہے جو متعین (Fixed) اور ناگزیر (Unavoidable) ہے۔ افراط زر کے خاتمے کے لیے بھی کوئی طریقہ کار ہو سکتا ہے یا اسے کم سے کم سطح تک اسے کم کیا جا سکتا ہے۔

بنیادی طور پر افراط زر اشیاء اور خدمات کی رسد Supply اور طلب demand میں فاصلے یا فرق Gap سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کو کم سے کم کر دیا جائے تو افراط زر بھی کم ہو جائے گا بشرطیکہ افراط زر میں اضافے کی وجہ سود کرنسی کی قدر میں کمی اور سٹے بازی جیسے دوسرے عوامل نہ ہوں۔ اس فرق (Gap) کو کم کرنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے روز مرہ استعمال کی نہایت اہم اشیاء کی تیاری کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لانا ہوگا اور بقیہ وسائل کو ثانوی اہمیت کی اشیاء کی تیاری پر صرف کرنا چاہیے۔ ہم پیداواری وسائل کو غیر ضروری اور پر تعیش اشیاء کی تیاری سے ہٹا کر بنیادی ضرورت کی اشیاء کی تیاری کی جانب لگا کر ان بنیادی اشیاء کو زیادہ تعداد میں تیار کر کے ان کی قیمت میں بھی کمی کر سکتے ہیں۔

Business cycles ایک دوسرا اقتصادی عمل ہے۔ جس کے مطابق کسی بھی معیشت کی مشکلات کا سبب یا تو افراط زر ہوگا یا بیروزگاری' گویا ان دو مشکلات میں سے ایک مصیبت ہر وقت موجود رہے گی۔ ایک اسلامی اقتصادی نظام تشکیل دیتے وقت مسلمان ماہرین معیشت کو یہ سوالات ذہن میں رکھنا ہوں گے کہ کیا یہ بزنس سائیکلز واقعی ناگزیر ہیں؟ کیا واقعی ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ناممکن ہے جہاں افراط زر نہ ہونے کے برابر ہو اور ساتھ ہی ان افراد کے لیے روزگار کی فراہمی بھی ممکن ہو جن کو اس کی ضرورت ہے۔

اکثر تجویز کیا جاتا ہے کہ طلب (Demand) اور خرچ (Consumption) میں ترغیب کساد بازاری (recession) سے نکلنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقتصادی ماہرین اس حقیقت کا احساس کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں کہ طلب (Demand) تک ایک بنیادی سطح (level) کم از کم لازمی اشیاء کی حد تک ہمیشہ موجودہ رہتی ہے اور یہ طلب اقتصادی سرگرمی پیدا یا شروع کرنے کے لیے کافی ہے' بجائے اس کے کہ مصنوعی طلب پیدا کی جائے اور عوام کو بعض غیر ضروری اشیاء کے غیر ضروری استعمال پر تیار کیا جائے۔

خرچ کرنے کے جس کلچر کی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے دنیا بھر میں حوصلہ افزائی کی ہے' اس سے نہ صرف ہمارے نوجوانوں میں فضول خرچی اور تصنع کی عادات پیدا ہو رہی ہیں بلکہ اس سے قدرتی پیداواری وسائل کا بھی ضیاع ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے کچھ بھی بچا کر رکھنے کا منصوبہ نہیں رکھتے۔ یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا بھر میں اپنی

مصنوعات کی کھپت میں مزید اضافے کے لیے مارکیٹنگ اور فروغ اشیاء کی اشتہاری مہموں (Marketing & promotional compaigns) پر بھاری رقوم خرچ کرتی ہیں۔

اس کے بعد خرچ کی جانے والی اس بھاری رقم کو اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کے ذریعہ صارفین سے وصول کیا جاتا ہے جس سے افراط زر میں بے تحاشا اضافہ ہوتا ہے۔ پھر بڑی بڑی کمپنیوں اور اداروں میں باہمی مقابلے کی جنگیں (Wars) ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے مارکیٹ میں اس کے حصص کو چھیننے کی کوشش میں اپنے بھاری وسائل ضائع کر دیتی ہیں حالانکہ ان میں سے ہر کمپنی کے پاس مارکیٹ کا ایک بڑا حصہ موجود ہوتا ہے۔

اگر اس رجحان کو روک دیا جائے تو اس طرح غیر ضروری مقابلوں اور غیر ضروری ایک ہی جیسی مصنوعات کی تیاری میں خرچ (ضائع) ہونے والے وسائل دوسری جگہ جو زیادہ پیداواری اور ضروری ہوں' استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

خسارے کی سرمایہ کاری (Deficit Financing) موجودہ اقتصادی نظام کا ایک اور طریقہ ہے جس پر تنقید کی ضرورت ہے۔ موجودہ طریقہ practice یہ ہے کہ پہلے کسی مخصوص برس میں ہونے والے اخراجات کا تعین فیصلہ کر لیا جاتا ہے اور اس کے بعد آمدنی اور اخراجات میں کمی (fall short) کو ملکی اور غیر ملکی قرضے لے کر پورا کیا جاتا ہے جس سے سنگین اقتصادی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف افراط زر میں بے تحاشا اضافہ ہوتا ہے اور ملک قرضے اور سود کے شکنجے میں پھنس جاتا ہے بلکہ غیر ملکی قرضوں اور خاص طور پر غیر مسلم ذرائع سے ملنے والے قرضوں کی صورت میں ملک کی خود مختاری بھی داؤ پر لگ جاتی ہے۔

ایک اسلامی ملک کو اپنے ذرائع اور وسائل کے اندر رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک اسلامی حکومت کو بجٹ بناتے وقت آغاز آمدنی سے کرنا چاہیے اور آمدنی کا جائزہ پہلے لے کر پھر ترجیحات کے اعتبار سے اخراجات کا تعین کرنا چاہیے۔ اسی طرح بعض بڑے منصوبوں کے لیے وسائل کے لیے متبادل ذرائع کی تلاش بھی کرنی چاہیے۔

ایک اور بات جس کی اصلاح کی ضرورت ہے' وہ اپنا زر مبادلہ (Foren Reserves) غیر ملکی کرنسی میں رکھنے کا عمل ہے۔ مثال کے طور پر دنیا کے بہت سے ممالک آج کل اپنا زر مبادلہ امریکی ڈالر کی کرنسی میں رکھتے ہیں اس لیے امریکی ڈالر کی دنیا میں بڑی مانگ ہے اور اس کی یہ طلب اس کو مستحکم رکھنے میں بڑا کردار ادا کرتی ہے اور اس کی قیمت میں کمی کی بجائے اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح ایک لحاظ سے ڈالر کی اصل طاقت ہے جس کی وجہ سے کسی حد تک دنیا کے دوسرے ممالک کی اقتصادیات کے مقابلے میں امریکی معیشت کو ڈالر کی اس حیثیت کی بنا پر برتری حاصل ہے۔

آخر میں ہمیں لازمی طور پر یہ احساس کرنا چاہیے کہ وقت کا اب یہ تقاضا ہے کہ ہم موجودہ اقتصادی اور مالیاتی نظام کی جگہ سود سے پاک ایک ایسے اقتصادی نظام کی تشکیل کریں جو امت مسلمہ کی ضرورت کو پوری کرتا ہو' موجودہ اقتصادی نظام کے خلاف اس کی خامیوں کی بنا پر اب دنیا کے مختلف حلقوں سے آوازیں بلند کی جا رہی ہیں۔ کیلی فورنیا کے ایک ادارے اسٹیوٹ برائے خوراک و ترقیات (Institue for food and Development policy) نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے' عالمی بھوک کی اصل وجہ (وسائل کی) قلت نہیں' ناگزیریت (Inevitability) نہیں بلکہ سیاسیت (politics) ہیں جو ہر شخص کو مواقع (Oppurtunities) فراہم کرنے میں ناکام ہو گئی ہے۔ بالاخر اس موجودہ نظام میں تبدیلیاں آئیں گی مگر یہ تکلیف دہ طرز پر ایک ست عمل ہوگا۔ مسلمانوں کو انسانوں کے ہاتھوں بنائے ہوئے اس اقتصادی نظام کی اندھی تقلید کو ختم کر کے قرآن وسنت کے الہامی اصولوں اور قوانین پر مبنی سود سے پاک اقتصادی نظام وضع اور اس پر عملدر آمد کر کے تبدیلی کے اس عمل کو تیز تر کرنا چاہیے۔ وہ پہلے ہی کسی اور کے بنائے ہوئے ضابطوں پر عمل کرتے کرتے اپنا بڑا وقت ضائع کر چکے ہیں اور ایک غیر اسلامی اقتصادی نظام کے ہاتھوں بڑی تباہی کا شکار ہو چکے ہیں جو پوری بنی نوع انسانیت کے لیے غیر منطقی حد تک غیر منصفانہ ہے۔ اگر ایک بار اہم الہامی اقتصادی قوانین کے مطابق نیا اسلامی اقتصادی نظام بنانے اور اس پر عمل کے لیے تیار ہو گئے تو ہمیں وہ معاملات اور مسائل جن کا حل آج ہمیں ناممکن نظر آتا ہے' وہ یقینی طور پر ممکن نظر آئے گا۔ ضرورت اس کی تشکیل دینے کے عزم کی ہے۔

(روزنامہ جنگ کوئٹہ۔ مئی ۶)

☆بقیہ کلمہ حق☆

ویسے بھی ایک سادہ سا سوال ہے کہ اگر تفتیش اور سزا کے سارے مراحل عدالتی کاروائی کے بغیر صرف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ذاتی صوابدید پر یا چند افراد کی کمیٹی کی رپورٹ پر مکمل کرنے ہیں جس میں کسی شخص کے بری الذمہ قرار پانے اور کسی کے مجرم ٹھہرنے کی صورتیں بھی شامل ہیں تو پھر اس سارے عدالتی نظام کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا عدالتی کاروائی سے قبل اس سارے مرحلے کو طے کر لینے کا مطلب باضابطہ طور پر پورے عدالتی نظام پر بے اعتمادی کا اظہار نہیں ہے؟

ہم راجہ محمد ظفرالحق صاحب سے گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فادر روفن جولیس کی تجویز پر وزیر اعظم سے ضرور بات کریں لیکن اس کے پس منظر اور نتائج دونوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض اقلیتی لیڈروں کو خوش کرنے اور بین الاقوامی لابیوں کو مطمئن کرنے کے شوق میں توہین رسالت پر موت کی سزا کے قانون اور ملک کے عدالتی نظام دونوں کو کسی "نمائشی شوروم" میں سجادینے کا عمل راجہ صاحب موصوف کے ہاتھوں انجام پاجائے۔